ڈاکٹر نگہت ناہید ظفر
شعبہ اردو گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ اسلامیہ کالج
کوپر روڈ لاہور

اُردو زبان کی تاریخی، سماجی، ثقافتی اہمیت اور مستقبل

Language pervades social life. It is the principle vehicle for the transmission of cultural knowledge. In this article, the writer has proven the cultural importance of the Urdu language in the Indo-Pak subcontinent. The writer has also mentioned the background and history of the language and consequently established the need for people to treat Urdu with importance.

انسان کے لیے زبان کی اہمیت فطری ہے زبان ہی اُسے بشریت کے مقام پر فائز کرتی ہے۔ اسی طرح زبان کی پیدائش بھی انسانوں کے ساتھ ہوتی ہے۔۔ زبان انسانی معاشرے کی پیداوار ہے اس کا جنم بھی سماج کے جنم کے ساتھ وابستہ ہے۔ دنیا کی کوئی بھی زبان خود سے پیدا نہیں ہوتی گویا زبان خود رو نہیں بلکہ ہر زبان کسی دوسری زبان سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اُردو کے ماہرین لسانیات آج تک اس بات کو طے نہیں کر سکے کہ اس کا آغاز ہندوستان کے کس خطے میں ہوا۔ اس بات کی توقع بھی مناسب نہیں، کیونکہ زبان کی تخلیق کا عمل ایسے ہی ہے جیسے دریاؤں سے سمندر کا وجود۔ دریا کا کوئی منبع ضرور ہوتا ہے مگر کتنے گلیشئر کتنی ندیاں، نالے اس میں شامل ہوتے ہیں تو وہ دریا کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اور پھر وہ دریا سمندر میں گر کر اپنا وجود گُم کر دیتا ہے۔ اسی طرح زبان بھی کسی ایک منبع سے نکلتی ہے اور پھر اس کو وسعت دینے میں کتنی دوسری زبانوں کے الفاظ جن کے مرکز اور منبع اور ہوتے ہیں شامل ہوتے ہیں اور پھر آخر میں کسی ایک زبان کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور کبھی انگریزی، عربی، فارسی، فرانسی، جرمنی، اطالوی اور اُردو کا نام پاتے ہیں۔

دنیا کی تمام زبانیں جب اس ارتقائی عمل سے گزرتی ہیں تو اُردو کے بارے میں یہ منفی تاثر کیوں ہے کہ اسے تو ابھی خود پتہ نہیں کہ اس کے وجود کا مرکز کیا ہے؟ مگر اس بات کو جاننے کے لیے کہ اُردو کو اُردو بنانے میں کس کس زبان نے کتنا کتنا اثر ڈالا ہمیں اردو زبان کے تاریخی پس منظر کو دیکھنا ہے۔

''اُردو کے بارے میں محققین اور ماہر لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا آغاز پراکرات سے ہوا۔ پراکرات کے معنی ''خود رو'' کے ہیں گویا پراکرات سے مراد وہ زبان جو عوامی زبان تھی اس کے مقابلے میں سنسکرت تھی جس کو'' دیوتاؤں کی زبان'' کہا گیا ہے، اسی لیے یہ مذہب اور ادب کی زبان تھی اس لیے اسے ہمیشہ مذہبی اور بالائی طبقے کی سر پرستی رہی اس کی وضاحت عین الحق فرید کوٹی کے اس بیان سے ہوتی ہے۔''1

'' آج سے قریباً ساڑھے تین ہزار سال قبل جب آریائی قبائل وادی سندھ میں وارد ہوئے تو وہ اپنے ساتھ ایک نئی تہذیب اور ایک نئی زبان لے کر آئے جو کہ ان کی فتوحات کے ساتھ ساتھ تمام ملک پر چھا گئی لیکن اس سے یہاں کی مروجہ مقامی زبان مٹ نہیں گئی بلکہ آنے والی زبان میں جذب ہو گئی۔

نتیجتاً سنسکرت اپنا خالص پن کھو بیٹھی اور اس نے پراکرات بھاشا کا روپ دھار لیا۔ آخر کار خالص سنسکرت بطور ایک عوامی زبان کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی اور اس کی جگہ پراکرتوں نے لے لی۔

''پراکرات کے بارے میں شوکت سبزواری لکھتے ہیں

''اردو بلاشبہ پراکرات سے ماخوذ ہے''2

مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا:

> دربار سلطنت اور اعلیٰ درجے کے لوگوں کا سنسکرت بولنا اعتبار و افتخار کی سند تھا اور پراکرات عوام کی زبان تھی۔3

جب ہم ماہرین لسانیات کے بتائے ہوئے زبانوں کے گروہوں کے بارے میں جانتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ پراکرات کوئی ایک زبان نہیں بلکہ زبانوں کا وہ گروہ ہے جس میں بنگال سے لے کر سندھ تک کی تمام مقامی بولیاں شامل ہیں۔

نبی بخش بلوچ عین الحق فرید کوٹی کی کتاب'' اردو زبان کی قدیم تاریخ'' کے مقدمے میں مصنف کی کاوش کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

1۔ آریائی قبائل کی آمد سے پہلے اس برصغیر میں اول منڈا گروہ کی زبانیں رائج تھیں اور بعد میں دراوڑی گروہ کی زبانوں کا دور دورہ رہا۔

2۔ شمالی ہند کی موجودہ عوامی زبانیں اُردو، پنجابی، سندھی وغیرہ اور ان کی پیش رو مقامی پراکرتوں کا سرچشمہ ہی منڈا اور خاص طور پر دراوڑی گروہ کی زبانیں ہیں جو اس برصغیر میں سنسکرت سے پہلے رائج تھیں۔

3۔ سنسکرت، آریائی قبائل کی اپنی لائی ہوئی زبان اور اس برصغیر کی قدیم مقامی زبانوں کی اختلاط سے معرض وجود میں آئی اور یہ بہت بعد کا زمانہ ہے۔

4۔ شمالی ہند کی عوامی زبانوں کے صرف نحو اور سنسکرت کے صرف ونحو میں اصولی فرق موجود ہے وہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ یہ عوامی زبانیں سنسکرت سے نہیں بلکہ قبل از سنسکرت والے دور کی پراکرتوں سے ماخوذ ہیں۔ البتہ سنسکرت کے الفاظ ایک کثیر تعداد عوامی زبانوں میں موجود ہے۔''4

اس رائے سے یہ تو واضح ہو گیا کہ اُردو کا سنسکرت سے کیا تعلق ہے؟ اور پنجابی سنسکرت سے بھی قدیم ہے؟ اُردو سنسکرت کو یک ہی زبان سمجھنے والے کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی زبان ہے

صرف رسم خط کا فرق جیسے کہ رام بابو سکینہ لکھتے ہیں

> ''گو اُردو کا نام اس زبان کو ایک عرصہ دراز کے بعد دیا گیا۔ زبان اُردو کی صرف ونحو محاورات اور کثرت سے ہندی الفاظ کا اس میں استعمال ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی ابتدا ہندی سے ہوئی''5

یہ نظر یہ بھی باطل ہو جاتا ہے کیونکہ محی الدین قادری اور حافظ محمود شیرانی جیسے محققین نے اُردو اور ہندی میں کوئی صرفی ونحوی مماثلت نہیں دکھائی اور جدید ماہرین انسانیات نے بھی کسی زبان کا کسی دوسرے زبان سے تعلق گرائمر کی رو سے ثابت کیا ہے۔

ہاں پنجابی کے بارے میں یہ نظریہ قائم ہو جاتا ہے کہ یہ سنسکرت سے بھی قدیم ہے مگر مقامی پراکرت کو پنجابی نام کب ملا اس کے لیے ہم پنجاب کی تاریخ دیکھتے ہیں ڈاکٹر محمد باقر لکھتے ہیں ۔

> ''کیونکہ جہانگیر کے زمانے سے پیشتر اس علاقے کا نام ہی کچھ اور تھا مثلاً اوستائی (1000 سے 1400 سال قبل مسیح) میں اس علاقے کا نام ''ہستیہ ہندو'' تھا۔_____ جس کے معنی ہیں سیاست دریاؤں کی سرزمین ان دریاؤں میں اس وقت جہلم، چناب، راوی ، بیاس ، ستلج، سندھ اور کابل شامل تھے۔''6

پنجاب کا لفظ فارسی کے دو مرکب الفاظ ''پنج اور آب'' سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پانچ دریاؤں کی سرزمین اس لفظ کا استعمال کے بارے میں ڈاکٹر باقر لکھتے ہیں ۔

> ''پنجاب کا لفظ ہماری ہندو پاک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جہانگیر کے عہد 1605-1627ء میں استعمال ہوتا ہے ۔ اور غالباً وہی پہلا شخص ہے جو اپنی توزک میں اس لفظوں کو بظاہر استعمال کرتا ہے اکبر کے عہد 1565-1605 میں یہ لفظ بظاہر استعمال ہوتا ہوا نظر نہیں آتا ۔''7

اس لیے پنجابی کو بھی لاہوری اور کبھی ملتانی کہا گیا مگر اُردو چاہے پنجابی سے نکلی ہو یا ملتانی سے یہ طے ہے کہ اس کا وجود مسلمانوں کے ساتھ پرورش پاتا ہے ۔مسلمان شمال کے راستے ہندوستان میں داخل ہوئے ان کی ابتدائی بستیاں سندھ اور ملتان میں قائم ہوئیں تیسری اور چوتھی صدی میں پنجاب اور سندھ میں صفاریوں اور سامانیوں کی بدولت ایرانی اثرات شروع ہوئے ۔ چوتھی صدی کے آخر میں محمود غزنوی کے حملوں کا آغاز ہوتا ہے غزنی سے آئے مسلمانوں نے پنجاب میں خاصہ عرصہ قیام کیا لہذا انہوں نے عوام سے لین دین کی کوئی نہ کوئی زبان اختیار کی۔

غوری عہد میں اسلامی لشکر دہلی پہنچ جاتے ہیں جو اپنے ساتھ پنجاب سے کوئی زبان اور بہت سے پنجابی سپاہی بھی ساتھ لے گئے ہوں گے ۔ حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں ۔

> ''دہلی میں یہ زبان برج اور دوسری زبانوں کے دن رات کے باہمی تعلقات کی بنا پر وقتاً فوقتاً ترمیم قبول کرتی ہے اور رفتہ رفتہ اُردو کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے ۔''8

دہلی میں مسلم سلطنت مرکزی حیثیت حاصل کر لیتی ہے چناچہ اُردو زبان بھی ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ جاتی ہے کیونکہ مسلمہ اصول ہے ہ غالب اقوام کی تہذیب و معاشرت ہو یا زبان اس کی اجارہ داری ہی قبول کی جاتی ہے ۔

عالمگیر کے عہد میں طبائع کا رجحان بھی اُردو کی طرف زیادہ ہوگا۔ حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں ۔

> ''1074 میں عالمگیر ''فقہ ہندی'' تصنیف کرتے ہیں فقہ ہندی کی اُردو بالکل پنجابی نما ہے اور جملوں کی بندش بھی پنجابی طرز کی ہے''9

کسی زبان کا تعلق دوسری زبان سے کتنا گہرا ہوتا اس کے لیے دونوں زبانوں کی گرائمر کا تقابل کیا جاتا ہے اور جب ہم ماہرین لسانیات کی اس بات کو حافظ محمود شیرانی کے تقابل سے ثابت کرتے ہیں تو واضح ہوتا کہ اُردو کی قربت پنجابی سے کتنی گہری ہے اسی طرح پنجابی اور اُردو کا رسم خط بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے پنجابی آج بھی خط نسخ میں لکھی جاتی ہے شروع میں اُردو بھی اسی خط میں لکھی جاتی تھی خط نستعلیق کا رواج بعد ہوا۔ پنجابی اُردو کا اشتراک پنجابی صوفی کے شعراء

کے کلام سے بھی ہوتا ہے پنجابی کے مشہور صوفی شاعر فرید الدین مسعود گنج شکر جو"1173 یا 1175" میں پیدا ہوئے ان کے کلام میں نمایاں مثال ہے

"رُوکی سکھی کھا کے ٹھنڈا پانی پی
ویکھ پرائی چوپڑی نہ ترساویں جی " 10

اُردو زبان ہے جو ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ وجود میں آئی جس کو کبھی "اُردو معلیٰ" کہا گیا کبھی "ریختہ" کبھی ہندی اور ہندوستانی اور جو آج بھی اُردو کے نام سے اپنی پہچان برقرار رکھے ہوئے ہے اُردو صرف ایک زبان نہیں بلکہ اب تو یہ ہندوستان و پاکستان میں ایک تہذیب کا نام ہے یہ ہندوستان کی تمام اقوام کا سنگم ہے اس کے لسانی عناصر ہندوستان کی تمام زبانوں سنسکرت عربی ، فارسی ، یونانی اور مقامی زبانوں سے نمو پاتے ہیں جس طرح ایک مشترک تہذیب کی پہچان اس کی زبان ہوتی ہے اسی طرح زبان کسی ملک کی جغرافیائی ثقافت میں بھی بہت اہمیت رکھتی ہے ۔ شاید اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اُردو اب پاکستان میں لنگوافرانکا ہے جو اس کے ہر خطے میں بولی ، سمجھی اور پہچانی جاتی ہے ۔ سندھی ، بلوچی ، پختون ، بلتی سب اس کو پہچانتے ہیں اس کے تخلیقت کے جوہر اس کے ادب میں نظر آتے ہیں میں گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> "اُردو کو اپنی تخلیقی اُردوائیت پر جتنا بھی ناز ہو کم ہے ، یہ اُردو نہ تو ہندی ہے نہ فارسی اُردو اُردو ہے اور ہند آریائی زبانوں کی حد درجہ بالیدہ اور معیار رسیدہ ادبی و جمالیاتی شکل جو لسانی امتزاج و توازن کی متنوع سطحوں پر مشتمل ہے"11

زبان کو زندگی کے مختف تجربے اور عوامل سنوارتے ہیں اور اردو زبان کو بھی مختلف تہذیبی ، سماجی ، سیاسی عوامل ، ہندوستان کے رنگارنگ قدرتی عناصر ، مختلف اقوام کے آپس کے میل جول اور معاشرت نے سنوارا۔ اس کی لسانی تشکیلات میں ان تمام سماجی معاشرتی اور تاریخی عوامل کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔

زبان کسی قوم کے کلچر کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ کلچر ایک آدھ دن میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ کسی قوم کے لسانی ارتقاء کی طرح تہذیبی ارتقاء میں بھی صدیوں کا طویل فاصلہ ہوتا ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ لسانی ارتقاء کی طرح تہذیبی ارتقاء کی منازل ساتھ ساتھ ہی طے ہوتی ہیں۔ معاشرتی ارتقاء دراصل انسانی شعور کا ارتقاء ہے ۔ اسی ارتقا ہی عمل میں انسان نے زبان کو بطور آلہ استعمال کیا۔ زبان ہی انسان کا حقیقی شعور ہے۔ زبان ایک سماجی مظہر ہے۔ (Robret M.Krauses And Chi.Yue CHiU (language and social Behaviour) میں زبان کے اس سماجی منصب کے بارے میں اس رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

> **Language pervades social life. it is the principle vehicle for the transmission of cultural knowledge, and the primary means by which we gain access to the contents of other's minds. Language as amplicated in most of the phenomenas that lie at the core of social psychology: attitude changes, social perception, personal identity, social interaction, intergroup**

bias and stereotyping attribution and so on. Morever for social psychologists language typically is the medium by which subject responses are elicted. 12

اسی لئے زبان محض انسانی آوازوں کا غیر منظم اور بے ہنگم اظہار نہیں ، بلکہ آوازوں کی ایک مخصوص تنظیم کا نام ہے ۔ وہ نظام جس کے مطابق زبان کی آواز کو ترتیب دیا جاتا ہے وہ زبان کا ''صوتی نظام'' کہلاتا ہے ۔ اس نظام کے مطالعہ کو صوتیات (Phonology) کہا جاتا ہے۔ اسی لیے کسی بھی زبان کے لسانی مطالعہ میں اس کا صوتی مطالعہ سب سے اہم ہوتا ہے ۔ کیونکہ زبان کا تعلق افراد سے ہے ۔ اور افراد کی صوتی عادات میں ہمواری اور یکسانیت نہیں ہوتی ۔ بلکہ موقع محل، نفسی کیفیات وغیرہ کا اثر تکلمی آواز اور لب ولہجہ پر ہوتا ہے ۔صوتی تغیرات ہی زبان میں تبدیلیوں کا باعث بنتے ہیں۔ خلیل صدیقی لکھتے ہیں:

''ماہرین لسانیات نے صرفی ،نحوی اور معنویاتی تبدیلیوں کے مقابلے پر صوتی تغیرات کی طرف زیادہ توجہ مبذول کی ہے کیونکہ یہ زیادہ صریحی ہوتے ہیں ۔اور ان کی جانچ پڑتال زیادہ صحت سے ہوسکتی ہے یہ تغیرات عموماً کلموں میں ہوتے ہیں ۔ اس لیے صرفی ومعنویاتی ارتقاء کو بھی کسی قدر انھی کا کرشمہ قرار دیا جاسکتا ہے ۔''13

ماہرین لسانیات کے نظریات کے مطابق دنیا کی تمام زبانیں اقوام کی تاریخی ، سماجی اور سیاسی زندگی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں ۔ اس لیے کسی ملک کے لیے اس کی زبان بہت اہم ہے مگر باوجود کہ اردو پاکستان کی قومی وسرکاری زبان قرار دی گئی ۔لیکن پاک و ہند کے اس مشترکہ کلچرل ورثے کی ترجمان زبان کے نفاذ کے لیے کوئی عملی کوششیں نہیں کی گئیں ۔ اگر اعداد وشمار کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اردو صرف 7.57% بولی جاتی ہے مگر پاکستان میں اس کے باوجود اس کو قومی زبان کا درجہ دیا گیا ہے پاکستان کی دوسری علاقائی زبانیں جن میں سندھی ، بلوچی ، پشتو، پنجابی ، براہوی ، سرائیکی ، کشمیری اور شمالی علاقوں کی دیگر مقامی زبانیں شامل ہیں ۔ جہاں تک اردو کا تعلق ہے اگر چہ یہ کم بولی جانے والی زبان ہے مگر اس کی اہمیت سے اس لیے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دیکھا جائے تو اردو نہ صرف پاکستان کے تمام علاقوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہے بلکہ پاکستان کے ہمسایہ ممالک جن میں ہندوستان ، افغانستان ، ایران حتیٰ کہ چین جیسے ملک جو تہذیب اور معاشرت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن اردو واحد ایسی زبان ہے جو ان ممالک کے افراد کے درمیان ابلاغ کا ذریعہ ہے ۔ اردو کی اس سیاسی اہمیت کے باوجود حکومتی سطح پر اس کی ترقی وترویج کے لیے کوشش نہیں کی گئی ۔

اکیسویں صدی میں آج بھی اُردو کے بارے میں تضادات زیادہ ہیں آج بھی پاکستان میں سرکاری اور قومی زبان ہونے کے باوجود قدیم عہد کی طرح پراکرتوں کے درجے پر فائز ہے جو کہ صرف عوام بولیں گے خاص نہیں اور خاص کا یہ اعتراض ہے کہ یہ زبان مشکل ہے اس کا رسم خط ایسا ہے جو آسانی سے سیکھا نہیں جاسکتا شاید اسی لیے آج سے بہت عرصہ پہلے محی الدین قادری زور نے اس مسئلے کا حل بہتر کیا تھا اور کہا تھا۔

''اُردو کا رسم الخط اور املا بھی قابل توجہ ہے جب تک ہمارے حروف اور آوازوں میں ہم آہنگی نہ ہو ہمارے لفظوں کی شکلیں متعین نہ ہوں اور اجنبی لفظوں کے لکھنے کے قاعدے مقررہ نہ بنیں ،

ناممکن ہے کہ ہماری زبان میں وہ یکسانیت اور انفرادیت پیدا ہو سکے جو زندہ اور ترقی یافتہ زبانوں کی سب سے پہلی خصوصیت ہوتی ہے''14

مگر پاکستان میں ابھی تک اس بظاہر قومی زبان کی ترقی و ترویج کے لیے کوشش نہیں کی گئی ۔ہمیں ہر بات بھی قبول نہیں کہ ذریعہ تعلیم اردو میں ہو کیونکہ ہمارے ہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کا میدان پہلے ہی بہت تہی دامن ہے اور اگر ہم اُرددو کو لازمی ذریعہ تعلیم قرار دے دیں گے تو اس میدان میں اور بھی پیچھے رہ جائیں گے مگر ہمیں سیاسی دوغلیت سے بچ کر کچھ ایسے بھی اقدام کرنے چاہیئے کہ ہم اس تہذیبی سرمائے [illegible]ط رکھ سکیں ۔

رضا علی عابدی لکھتے ہیں ۔

''اُردو کسی زبان کا نام نہیں یہ کوئی بھاشا نہیں، یہ بول چال ،رکھ رکھاو اور زندگی بسر کرنے کے ایک قرینے کا نام ہے۔اُردو اصل میں لشکر کو کہتے ہیں ۔اس لحاظ سے دیکھئے تو اس میں فرد نہیں آتا یہ ایک اجتماع کے رویئے کا نام ہے ۔''15

رسم الخط کا مسئلہ صرف اردو کے ساتھ نہیں بلکہ دنیا کی ہر زبان کے ساتھ رسم الخط کے مسائل ہیں ۔مختلف زبانوں کے رسم الخط جو آج رائج ہیں یہ سب اپنی اصل کے اعتبار سے کسی نہ کسی مردہ زبان کی اصلاح یافتہ شکل ہیں ۔ جب کوئی زبان اپنا ارتقائی سفر طے کرتے ہوئے دیگر زبانوں سے اخذ و استفادہ کرتی ہے تو اسی طرح تحریر میں بھی پہلے سے مرجہ رسم الخط سے فیض اٹھاتی ہے ۔ جیسے سنسکرت ہندوستان کے عوام کی نہیں بلکہ مقدس اشلوکوں کی ایک خاص زبان تھی ۔مقد س نوشتوں کے لیے سنسکرت میں ایک رسم الخط رائج تھا جس کی ترقی یافتہ شکل موجودہ دیو ناگری رسم الخط ہے ۔ اور سنسکرت کا رسم الخط قدیم سامری رسم الخط سے مأخوذ تھا ۔اسی طرح اردو رسم الخط بھی قدیم فارسی رسم الخط سے لیا گیا ہے مگر یہ صرف فارسی رسم الخط نہیں بلکہ اردو نے زبان کے مراحل کی طرح رسم الخط کے مراحل بھی دیگر زبانوں سے مل کر طے کیے جن میں عربی اور ہندی بھی شامل ہیں ۔

کسی قوم کی زبان اور اس کا رسم الخط اس کی تہذیب اور اس کی قوم کی بقا و فنا میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے ۔مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے کہا تھا کہ:

''کسی قوم کو اگر آپ دوسری قوم میں تبدیل کردینا چاہیں تو اس کی زبان اور رسم الخط بدل دیجئے۔ رفتہ رفتہ وہ خود بخود دوسرے سانچے میں ڈھل جائے گی''۔16

زبان اگر قوم کے مزاج کا آئینہ ہے تو رسم الخط زبان کی خصوصیات کا ۔اس لیے جو لوگ اس دور میں اردو میں فارسی کے بجائے'' ناگری'' اور کبھی'' رومن'' رسم الخط کی حمایت کرتے ہیں وہ شاید اردو کے ثقافتی اور تہذیبی ،سرمائے کی اہمیت کو کم کرنے کے درپے ہیں ۔اور ویسے بھی رومن رسم الخط کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ اس رسم الخط والے ممالک ،علوم وفنون میں دوسری اقوام و ممالک سے بہت آگے ہیں ۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر ہم اردو میں رومن رسم الخط لاگو کر دیں تو ہم بھی اس مقابلے کی دوڑ میں شامل ہو جائیں گے ۔حقیقت اس کے برعکس ہے ۔انگریزی کے علاوہ دیگر زبانیں بھی رومن رسم الخط میں جن میں جرمنی ،فرانسیسی ، یونانی ، ہسپانوی وغیرہ ہیں ۔مگر انگریزی کے علاوہ صرف رومن رسم الخط کی وجہ سے ہم ان زبانوں کو سمجھ نہیں سکتے ۔اسی طرح اردو زبان کی اہمیت کو اس وجہ سے کم کرنا کہ اس کا رسم الخط مشکل

ہے سمجھ سے بالاتر ہے۔

جس طرح پاکستان آج تعصب اور ٹکڑوں میں بٹا ہوا ہے لہذا اس مشترکہ ورثے کو سنبھال کر رکھنے اور ترقی دینے کی ضرورت ہے۔

اُرد و ایسی زبان بھی ہے جو لسانیات کئے تمام تقاضے پورے کرتی ہے اس کی لفظیات **Leyicon** سرفیات **Moyphology** اور نحویات **Syntax** کسی بھی ترقی یافتہ زبان سے کم نہیں بلکہ انگریزی کے پاس تو 26 آوازیں ہیں اس میں محاورات کی تعداد ہزاروں تک ہے کہاوتیں اور تلمیات بھی موجود ہیں ۔علم لسانیات کی روسے وہ زبان سب سے زیادہ متمول ہوتی ہے جس کے پاس آوازیں بکثرت ہوں اس عہد میں حقیقت سے آنکھیں نہیں چرائی جاسکتی اسی لیے یہ کہنا چاہیے کہ اس میں رسم خط پر اعتراض بجاہے مگر اگر چند ماہرین لسانیات مل بیٹھیں تو اس اعتراض کو بھی دور کیا جاسکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اگر ارباب اختیار اس میں دلچسپی لیں اور اس مشترکہ کلچرل ورثے کو آنے والی نسلوں کے لیے [illegible]ط کرلیں۔

سیاسی وجغرافیائی سطح پر دنیا کی پرانی تقسیم کو ختم کر کے نئے تصورات ابھارے جا رہے ہیں۔ دنیا کا سیاسی ، جغرافیائی حدود اربعہ ہمیشہ تبدیل ہوتا رہا ہے اور ہر دور میں طاقت ور اقوام نے اپنے حق میں تبدیل کیا ہے ۔ ہمارے اس عہد میں بھی یہ ہی سلسلہ جاری ہے ۔ دنیا میں موجود پرانے تعلقات کو ختم کر کے نئے تعلقات متعارف کروائے جا رہے ہیں ۔ دنیا کے بڑے ہی منصوبہ بندی ترقی پذیر ملکوں کے عوام کے ساتھ ان کی زبان اور ثقافت کے سلسلے میں کر رہے ہیں ۔ حالانکہ کسی زبان کے لفظیات اور معنیات کے مطالعے سے کسی قوم کے مزاج سے آشنائی ہوتی ہے ۔

اردو ماہرین کو چاہیے کہ وہ اردو کی درس وتدریس کے لیے کچھ اصول مقرر کر دیں ۔ اور پورے ملک میں وہ اصول لاگوں ہوں ۔ اردو صرف ونحو اور قواعد کے اصول بھی جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ترتیب دیئے جائیں ۔ ’’ اردو صرف ‘‘ میں ابھی تک ’’ عربی صرف ‘‘ کے اصولوں کو مدنظر رکھا جاتا ۔ ہر زندہ زبان وقت کے ساتھ ساتھ اپنے اندر نئی تبدیلیوں کو سمونے کی صلاحیت رکھتی ہے اردو بھی ایک زندہ زبان ہے ۔ ٹیکنالوجی کے اس دور میں کتنی نئی اصطلاحیں اور الفاظ اردو زبان کے دامن کو وسیع کر رہے ہیں ان اصطلاحوں اور الفاظ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

حواشی

1۔ عین الحق فریدکوٹی ، اُردو زبان کی قدیم تاریخ لاہور، اورینٹ ریسرچ سنٹر، طبع دوم مارچ 1989ص 57-56

2۔ شوکت سبز واری ، ڈاکٹر ، اردو لسانیات ، کراچی ، مکتبہ تخلیق ادب ، 1966،ص13

3۔ محمد حسین آزاد ، آب حیات ۔ لاہور ۔ سنگ میل پبلی کیشنز،ص۔ن۔ص13

4۔ عین الحق فریدکوٹی ، اُردو زبان کی قدیم تاریخ ، لاہور اورینٹ ریسرچ سنٹر، طبع دوم مارچ 1989،ص13

5۔ رام بابو سکسنہ ، تاریخ ادب اردو، لاہور، س ن،ص36

6۔ محمد باقر ، ڈاکٹر ، اُردوئے قدیم دکن اور پنجاب میں ، لاہور مجلس ترقی ادب 1972،ص 5-6

7۔ ایضاً4

8۔ حافظ محمود شیرانی ، پنجاب میں اُردو ، لاہور ، سنگ میل پبلی کیشنز،2005،ص24

9۔ ایضاً 28

10۔ کلام بابا فرید گنج شکر، لاہور۔ پیکجز لمیٹیڈ ،س ن،ص8

11۔ گوپی چند نارنگ ، ڈاکٹر، اُردو غزل ، ہندوستانی ذہن وتہذیب ، لاہور ، سنگ میل پبلی کیشنز،2005،ص 408

12۔ www. columbia.edu-mk7

13۔ خلیل صدیقی ،زبان کیا ہے؟ ملتان لاہور بیکن بکس،2009 ص58

14۔ سید محی الدین قادری ، ڈاکٹر، ہندوستانی لسانیات حیدر آباد (دکن) ،شمس السلام پریس ،1935م،ص136

15۔ اردو رسم الخط،مرتب،شیما مجید،السلاماباد مقتدرہ قومی زبان،1989،ص213

16۔ روزنامہ، جنگ ، لاہور، 10اپریل 2015